The Drinched Book

سلسلۂ مطبوعات عصمت نمبر ۹

دنیا کی سرگزشت

مصنفہ حضرت علامہ راشد الخیری مدظلہٗ

مرتبہ

رازق الخیری ایڈیٹر عصمت و بنات

تیسری مرتبہ

عصمت بک ایجنسی دہلی نے شائع کیا

جنوری ۱۹۳۳ء

قیمت چار آنے

مصور غم حضرت علامہ راشد الخیری مدظلہ کے رسالے

جنہیں مسٹر رازق الخیری ایڈیٹ کرتے ہیں

عصمت دہلی

ہندوستان بھر کے تمام زنانہ اخبارات و رسائل میں سب سے اچھا اور سب سے زیادہ چھپنے والا مشہور و معروف باتصویر ماہوار رسالہ جو ۲۵ سال سے کامیابی کے ساتھ جاری ہے۔ عصمت تمام اردو رسالوں سے زیادہ تصاویر اور ملک کی بہترین لکھنے والی خواتین کے اعلیٰ درجے کے مضامین ۔۔ صفحوں پر ہر ماہ شائع کرتا ہے عصمت ہی وہ رسالہ ہے جو صوری و معنوی خوبیوں کے لحاظ سے شریف بیگمات کیلئے ہندوستان کا چوٹی کا رسالہ سمجھا جاتا ہے۔

سالانہ چندہ۔ قسم اول پانچ روپے قسم دوم معمولی کاغذ ۴ روپے

بنات دہلی

مسلمان بچیوں کے لئے نہایت مفید اور دلچسپ رسالہ جس کی زبان اتنی آسان ہوتی ہے کہ دس گیارہ برس کی بچیاں بھی سمجھ سکیں نہایت دلچسپ کہانیاں اور مفید مضامین ہر ماہ شائع کئے جاتے ہیں۔ بچیاں بڑے شوق سے بنات کا مطالعہ کرتی ہیں عصمت کے علاوہ صرف یہی پرچہ ہے جس میں حضرت علامہ راشد الخیری قبلہ ہر ماہ بیش بہا مضامین تحریر فرماتے ہیں۔ بنات کا مقصد مسلمان بچیوں میں مذہبیت پیدا کرنا ہے اور تربیت گاہ بنات جیسی مفید درسگاہ کی امداد۔ اس لئے ہر مسلمان کو یہ رسالہ خریدنا چاہیئے۔

چندہ سالانہ بھی اس قدر کم کہ غریب غریب مسلمان خرید سکیں یعنی صرف ایک روپیہ آٹھ آنہ بذریعہ منی آرڈر۔ اس قدر سستا زنانہ پرچہ کہیں نہیں مل سکتا۔

منیجر عصمت و بنات کوچہ چیلان دہلی

۷۸۶

وڈیا کی سرگذشت

"مگر آہ!...... وہ موتی تو وہاں بھی نہ تھا"

مذہبی خدمات کا شوق مجھ کو باپ کی طرف سے ورثہ میں ملا تھا، آئرش چرچ کا نیلوفر اور للی کے خوش رنگ پھول اگر آج بھی ان سے پوچھا جائے تو کہدیں گے کہ ان کے بیج میرے باپ ولیم کے ہاتھوں نے بوئے، غور و پرداخت میری ماں کے ہاتھوں نے کی اور آبیاری میری ننھی انگلیوں سے ہوئی۔

ایک اتوار کی شام کو میں اپنی لمبے لمبے سیاہ بالوں والی سہیلیوں کے ساتھ ٹیمز کے کنارے پر تھی، ۲۵ دسمبر کا آفتاب دریا کی لہروں سے لپٹ کر میری آنکھوں کے سامنے فنا ہوا، ہوا کے سریلے نغمے، پرندوں کی موسیقی کا اور چہکار رہے تھے، میری سہیلیاں ایسی خاموش ساعت میں جب شام نے کتاب قدرت کے اوراق دنیا کے سامنے کھول کر رکھدیئے تھے جھوٹی اور ذلیل خواہشوں کو دل میں لئے ہوئے جنکی ذمہ داری انکے سر پر تھی ول

پر تھی کیچڑ اور دلدل میں سیپ اور گھونگے ڈھونڈتی پھرتی تھیں، مگر میری نگاہ کو اسوقت ہر شے درس عبرت تھی، میرے سامنے اس وقت زندگی کی وہ دشوار گذار اور پیچیدہ گھاٹیاں تھیں جنکو مجھے عبور کرنا تھا، پاک جذبات نے میرا ہاتھ روکدیا تھا اور میں اس کیچڑ اور گارے سے جس میں میری سہیلیاں لت پت تھیں بہت دور تھی، تاہم میں اس خیال کا وجود محسوس کر رہی تھی، جو آیندہ سال اور آیندہ کے راحت و آلام متعلق تھا۔

واقعہ یہ تھا کہ ٹیمس کے اس کنارے کی تمام پیداوار کا ٹھیکہ سالانہ ہوجاتا تھا اور کسی کو اجازت نہ تھی کہ ایک گھونگا تک اٹھا سکے، البتہ ۲۵ دسمبر کو حکومت کی طرف سے لوٹ مار کا اذن عام تھا، اور ہزاروں لڑکے اور لڑکیاں قسمت آزمائی کیا کرتے تھے، اور ہر شخص کا یہ عقیدہ تھا کہ جیسی شے یہاں سے ہاتھ لگے ویسی ہی اس کی تقدیر ہوگی، اور ویسا ہی جوڑا میسر آئیگا یہ کنارہ دو حصوں میں منقسم تھا، ایک طرف ہم تھے اور دوسری طرف شہری اور دیہاتی نوعمر لڑکے، میں کن آنکھیوں سے دیکھ رہی تھی کہ جوزف جس سے میری شادی کی بات چیت ہو رہی تھی، پریشان اور گھبرایا ہوا چاروں طرف کسی بیش بہا سیپ کی تلاش میں سرگرداں تھا، مجھے یہاں یہ بھی کہدینا چاہیے کہ جوزف کی خاموش نظریں باوجود ایسے اہم مقصد کے مجھ کو بھولی نہ تھیں اور اسکی ایک آنکھ ادھر تھی اور ایک اُدھر،

میں اپنے باپ ڈیمنز کی طرح اس رسم کو لغو اور فضول سمجھتی تھی، مگر میری ماں جس کی گھٹی میں یہ توہمات پڑے ہوئے تھے سختی سے ان لغویات کی پابند تھی میرے خواستگار جوزف کے علاوہ اور بہت سے تھے، جن میں سے بعض نہایت متمول، اور

غالباً یہی وجہ تھی کہ ویلیمز نے میری ماں کے اصرار پر علی الاعلان یہ کہدیا تھا، کہ جس کا تحفہ زیادہ قیمتی اور خوبصورت ہوگا، اس کا حق فائق ہے جوزف اوسط درجہ کا آدمی تھا، مگر میری نگاہ میں اسکی سادگی اور سنجیدگی جو خلوص اور صداقت سے لبریز تھی دوسروں کی خوشامد اور چاپلوسی سے جس میں تصنع اور بناوٹ بھری ہوئی تھی زیادہ قیمتی تھی،

ہوا نے اپنے ساز کے پردے بلند کئے آسمان نے اپنے روشن چہرہ پر سیاہ بادل کی نقاب ڈالی، اور ہلکی پھوار پڑنی شروع ہوئی۔ میرے پاس اوپر کا کپڑا کوئی نہ تھا مجبوراً اٹھی، مگر تخیل کے اس چمنستان میں جو میرے دماغ میں کھل رہا تھا یہ خلل اندازی زہر معلوم ہوئی، لیکن اس کے سوا چارہ نہ تھا، میں آگے بڑھی اور چلی، جوزف جس کی نگاہ میرے چہرے پر تھی بتیابانہ اپنی جاذب آب چادر لے کر لپکا، پانی کی رفتار کے ساتھ میرے قدم تیز ہو رہے تھے، مگر میں نے دیکھ لیا کہ جوزف کے چہرے پر ندامت برس رہی ہے، اور نا امیدی نے اس کو اس قدر مضمحل کر دیا ہے کہ وہ میرے قریب پہنچنے کی ہمت نہیں کرتا اور اس کی خواہش ضرور ہے کہ وہ اپنی چادر پیش کرے مگر اس کی تکمیل میں ایک خیال زنجیر بن کر اس کے قدموں میں پڑ گیا، اور وہ صرف اس کی نا امیدی تھی۔

(۱)

میں جس وقت گھر پہونچی وہ ایک روشن رات تھی، گرے سٹریٹ کی معمولی روشنی کے علاوہ بڑے دن کی رات کا استقبال تمام محلہ نے فراخ حوصلگی سے کر رکھا تھا، اور ہماری گلیاں اس وقت ہندوستان کی دیوالی کو مات کر رہی تھیں۔ مینہ اس وقت

زور سے پڑ رہا تھا، اور اس کمبخت نے مجھکو اس منظر کا پورا لطف اٹھانے نہ دیا تاہم اس بھاگ دوڑ میں بھی میں نے جو کچھ دیکھ لیا وہ شاید پھر ایک سال بعد دیکھنا نصیب ہو، میں نے سڑک ہی پر دیکھ لیا تھا کہ ماما بے چینی سے میرا انتظار کر رہی ہیں۔ میری صورت دیکھتے ہی وہ بے تحاشا دوڑیں میں ماں کے اس جذبۂ محبت سے بہت ہی متاثر ہوئی، مگر افسوس میرا خیال غلط اور یہ اثر فوری نکلا ماما حقیقتاً اس کو میرے بھیگنے سے زیادہ تعلق نہ تھا، اور یہ عقدہ اس طرح کھلا کہ بجائے اس قسم کے کسی سوال کے اس نے چھوٹتے ہی مجھ سے یہ پوچھا،

"تمہارا تحفہ دیکھوں؟"

میں نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا، اور جلدی سے آگے بڑھ گئی، مکان قریب تھا، اندر گھسی تو انگیٹھی روشن تھی: دو لمحہ وہاں ٹھہر کر میں لباس کے کمرے میں چلی گئی، کپڑے بدلے اور پھر انگیٹھی کے پاس آئی، تو ماما نے سخت لہجہ میں کہا،

"تم نے سنا نہیں میں نے کیا پوچھا؟"

میں "سن لیا"

ماما "پھر؟"

میں "پھر کیا"

ماما "دیکھوں کیا لائیں؟"

میں "کچھ نہیں؟"

ماما "کچھ نہیں؟"

میں "ہاں!"

ماما "پھر کیوں گئی تھیں؟"

میں "بے وقوفوں کا تماشہ دیکھنے!"

اس کا جواب اس نے نہایت غصہ سے یہ دیا "بس جاؤ خاموش ہو جاؤ"

اتنا کہہ کر وہ اپنے کمرے میں چلی گئی اور میں اپنے کمرے میں جو باپ کے دفتر کے برابر تھا۔

(۲)

میں نے ہر چند کوشش کی کہ وہی پاکیزہ خیالات جو دریا کے کنارے میرے دماغ میں گونج رہے تھے پھر آ کر جمع ہوں، میں اسوقت ایک اور الجھن میں تھی، اور سوچ رہی تھی کہ ولیمز جیسا سمجھدار آدمی بھی افسوس روپے کا بندہ نکلا، جو شخص اس کی نگاہ میں اس لئے کہ امیر نہیں کوئی وقعت نہیں رکھتا، میں ان ہی خیالات میں تھی کہ یہ آواز کان میں آئی،

"میں اندر آ سکتا ہوں؟"

میرے باپ نے اجازت دی اور خواستگار نمبر ایک ہیلونی مسکراتا ہوا اندر داخل ہوا، اور ایک کرسی پر بیٹھ گیا، اس کی آواز سنتے ہی میری ماں بھی وہیں چلی گئی ہیلونی اسکی تعظیم کو اٹھا، تو میری ماں نے کہا "کہو مسٹر ہیلونی تقدیر نے کیا کیا"

ہیلونی نے ایک چمکدار سیپ میز پر رکھدی اور کہا "میرا خیال ہے اس سے بہتر سیپ ملک کے کسی حصہ میں موجود نہیں، دیکھنے والے دنگ تھے، مجھے امید نہ تھی۔ خوش نصیب نکلوں گا حقیقت یہ ہے کہ یہ سیپ وڈیا ہی کے قابل ہے"

ولیمز نے سیپ ہاتھ میں اٹھائی اور دونوں میاں بیوی اس کو غور سے دیکھنے لگے، کہ ایک آواز اور آئی۔

"میں آؤں؟"

ولیمز نے اجازت دی، خواستگار نمبر ۲ تھا، اس نے اندر داخل ہوتے ہی ایک گھونگا دونوں کے سامنے ڈالا، اور کہنے لگا:۔

"آپ کیا لغو چیز دیکھ رہے ہیں، یہ دیکھئے جو جوہر دور دور اپنا جواب نہیں رکھتی"

یہ سب باتیں میں اپنے کمرے میں سے دیکھ رہی تھی، اور مجھے بہت ہنسی آئی کہ دونوں میاں بیوی نے اس کے اتنا کہتے ہی سیپ پھینکدی اور گھونگا اٹھالیا۔

ابھی وہ کچھ کہنے نہ پائے تھے کہ ایک تیسری آواز کان میں آئی، اور یہ خواستگار نمبر ۳، لارڈ سنیڈرہم کا اکلوتا لڑکا تھا اور دولت کے زعم میں اتنا مست کہ اجازت کا بھی منتظر نہ رہا، اور اندر آگیا، دونوں بڈھوں نے اس کے تمول کا گرمجوشی سے استقبال کیا اس نے آتے ہی نہایت لاپروائی سے ایک یاقوت میز پر پھینکدیا، اور کہا "ولیمز اس کے دیکھنے کے بعد اب معاملہ پر زیادہ غور کرنے کی ضرورت نہیں ایسے ایسے ذلیل ٹکڑے جو ہمارے سامنے پڑے ہیں، نہ معلوم اسکی قیمت میں کتنے ہزار آجائیں گے"

میں نے اس یاقوت کو غور سے دیکھا، اور میری رائے ہے کہ یہ یاقوت خواستگار اپنے گھر سے لایا، دریا کا نہ تھا، دونوں اس کے دیکھنے میں مصروف تھے، اور چہرے سے بے انتہا خوشی ظاہر ہو رہی تھی کہ ایک چوتھی آواز کان میں آئی یہ مری ہوئی آواز تھی، اور یہ بدنصیب جوزف تھا جس کا لہجہ کہہ رہا تھا کہ اس کو کامیابی کی کوئی توقع نہیں، اور صرف یہ دیکھنے آیا ہے کہ معاملہ کا حشر کیا ہوتا ہے اس کو کوئی جواب نہ ملا تو اس نے دوبارہ اجازت طلب کی مگر کس قدر افسوس ہے دنیا کی حالت پر کہ اسکی یہ کوشش بھی رائگاں گئی، اور کوئی جواب نہ ملا۔ اس نے مجبوراً تیسری مرتبہ پھر کہا

"میں اندر آسکتا ہوں"، اس وقت میرے باپ نے اجازت دی، اور غریب جوزف خاموش آکر کھڑا ہو گیا، ان تینوں شیشوں میں سے یاقوت پسند کیا گیا مگر خواستگار نمبرا کے اصرار پر جوہری بلایا گیا، کہ قیمت کا فیصلہ کرے۔

جوزف خاموش کھڑا سب کی صورتیں دیکھ رہا تھا، لمبے لمبے سانس اس کے پیٹ میں پھیل رہے تھے، اور اس کا چہرہ کسی انتہائی ناکامی کا ثبوت تھا، مگر یہ صرف میں دیکھ رہی تھی، اسکی یہ حالت میرے زر پرست والدین کو اپنی طرف متوجہ نہ کرسکی وہ کبھی میری ماں کا منہ تکتا تھا، کبھی باپ کا، اور کبھی کبھی اسکی نگاہ ان خواستگاروں پر بھی جاکر فوراً پلٹ آتی تھی، دفعتہً میرے باپ نے قہقہہ مارا اور کہا۔

"کیوں جوزف تم کو کچھ نہیں ملا؟"

جوزف "ملا تو سہی مگر کسی قابل نہیں ہے"

ولیمز "آخر دیکھیں تو سہی"

جوزف نے کیچڑ میں لتھڑا پتھڑا ایک شیشہ کا ٹکڑا جیب سے نکالا، اور دور سے کہا "یہ ہے کیا دیکھئے گا، مجھے تو شیشہ ہی معلوم ہوتا ہے، مگر کیچڑ بھی نہیں چھوٹتی"

ولیمز "لاؤ لاؤ اس کو بھی یہاں رکھو"

جوزف نے ڈرتے ڈرتے ہاتھ بڑھایا، اور کہا "اسکو رکھ کے کیا کیجئیگا" ولیمز نے وہ ٹکڑا لیا اور کہنے لگا، "یہ بھی جوہری کو دکھایا جائے گا"، اس پر تینوں خواستگاروں نے باری باری اسکو لیکر غور سے دیکھا سب مسکرائے اور کہا "ضرور ضرور یہ جوہری کو ضرور دکھایا جائیگا"، اب میری ماں کی باری آئی اس نے غور سے دیکھا اور زور سے قہقہہ مار کر کہا، جیسے سیدھے سادے یہ خود ہیں ویسا ہی ان کا تحفہ بھی ہے، ہماری رائے میں تو

سب سے زیادہ قیمتی یہ ہی ہے"

اس پر سب نے قہقہے لگائے، اور کہا "بے شک، بے شک"

مجھے اس وقت غریب جوزف پر رحم آرہا تھا، سب ہنس رہے تھے اور اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں عجیب زندہ دل یا خود غرض لوگ تھے، شادی کے تمنی تھے، اور بہت جلد ایک کے سوا باقی ناکام ہونے والے تھے، مگر اس کا اُن کو مطلق خیال نہ تھا،

جوہری آگیا، اور اس نے قدم دھرتے ہی کہا "آج کا دن ہمارے واسطے سخت مصیبت کا ہے، دم بھر کی فرصت نہیں ہوتی، خرابی یہ ہے کہ جس سے انکار کرو اسی سے بُرے"

ولیمز "کہئے آج آپ نے کوئی پتھر مول لیا"

جوہری "ہر وقت تیار ہیں"

ولیمز "اچھا یہ تینوں ٹکڑے ملاحظہ فرمایئے"

ماما دھنسکر "اور یہ چوتھا بھی"

خواستگار نمبر ۱ "اس کی میل کچیل بھی ملحوظ رہے!"

خواستگار نمبر ۲ "اور کیچڑ بھی!"

خواستگار نمبر ۳ "اصلی قیمت تو اسی کی ہے"

جوہری نے سیپ اور گھونگا دیکھ کر الگ ڈال دیئے اور کہا "ان میں یہ یاقوت ہی قیمتی ہے، مگر"

ولیمز "مگر کیا؟"

جوہری "یہ اور چیز ہے"

ولیمز "خیر!"

میری ماں نے سنیٹرہم کی کامیابی پر مبارکباد دی، جوہری چلنے لگا تو جوزف بھی نیچی گردن کئے اس کے ہمراہ ہولیا، مگر اب ان لوگوں کو مذاق سوجھا اور جوہری کو ٹھہرا کر کہا"

" آپ نے جوزف صاحب کی کمائی نہ دیکھی"

جوزف کے چہرے پر کھسیانی ہنسی آئی، اور جوہری سے کہنے لگا

" چلئے یہ تو یونہی کہہ رہے ہیں"

"میری ماں اس وقت نہایت خوش تھی، کہنے لگی جناب شیشہ کی نہیں تو کیچڑ ہی کی قیمت لگا دیجئے، یہ کہہ کر میری ماں آگے بڑھی اور جوزف کا شیشہ جوہری کو دیدیا، جوہری نے لاپرواہی سے شیشہ ہاتھ میں لیا، اور مسکرا کر کہنے لگا "واقعی اس کی کیچڑ بہت قیمتی ہے" اسی اثنا میں اس کی نظر جب شیشہ پر پڑی تو متعجب ہو کر کہنے لگا "یہ کیا!!"

وہ شیشہ کو غور سے الٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا، اور اس کا استعجاب لمحہ بہ لمحہ زیادہ ہو رہا تھا، وہ دفعتہً پھر چونکا اور کہا " کیا!"

اب اس نے تھوڑا سا پانی مانگا اور جیب سے ایک سفوف نکال کر اس شیشہ پر چھڑکا، اور صاف کیا، کئی منٹ تک حیرت سے دیکھتا رہا، اور پھر اس کی زبان سے یہ لفظ نکلے،

" خوش نصیب جوزف مبارک ہو"

جوزف اس کو مذاق سمجھکر کہنے لگا " اچھا اب آپ چلئے"

جوہری نے اپنی جیب سے چک کی کتاب نکالی اور کہا " دو ہزار پونڈ کا چک حاضر ہے، اس وقت میں یہ دے سکتا ہوں، مگر مجھے یقین کامل ہے کہ یہ اس سے

بہت زیادہ قیمت کا ہے،،

اب میرے باپ کا متحیر چہرہ سناٹے میں رہ گیا، اس نے موتی ہاتھ میں لے لیا، اور کہا،، یہ میری پیاری وڈیا کو مبارک ہو ہم کو اسکے فروخت کرنیکی ضرورت نہیں،،

جوہری ،، جہاں تک مجھے یاد ہے گزشتہ دس سال میں ٹمس سے ایسا موتی برآمد نہیں ہوا سنہ ۹ء میں البتہ ایک نکلا تھا وہ اس سے چھوٹا تھا، اور سکاٹ لینڈ کے شاہی تاج کو زیب دے رہا ہے،،

جوہری یہ کہہ کر چلدیا، جوزف کے چہرہ پر اب بھی شگفتگی نہ تھی، وہ اب تک اس واقعہ کو خواب سمجھ رہا تھا، ولیمز نے اشارہ سے اس کو بیٹھنے کے واسطے کہا، مگر نا امیدی اس قدر غالب ہو چکی تھی کہ وہ اب بھی منہ تکنے لگا، بقیہ خواستگار ٹھنڈے سانس بھر کر کھڑے ہوگئے۔

پاپا نے مجھے آواز دی، میں آئی تو اس نے کہا

،، لو جوزف تم کو وڈیا مبارک ہو، اس سے ہاتھ ملاؤ،،

مجھے اس پر شروع سے رحم آرہا تھا، اور اس لئے کہ اسکی وقعت میرے دل میں بہت کچھ تھی، میں نے خوشی سے ہاتھ ملایا، مگر میں نے یہ دیکھا کہ بجائے مسرت کے اسکی آنکھ سے آنسو گر رہے تھے، اس نے میرا ہاتھ اپنی آنکھوں سے لگا لیا، بقیہ خواستگار ایک ایک کرکے چلتے ہوئے، اور دوسری صبح کو میری شادی جوزف سے ہوگئی، موتی کا واقعہ اخباروں میں چھپ چکا تھا، گرجا میں ہزاروں آدمی جمع ہوئے جس وقت جوزف نے وہ موتی پیش کیا مبارکباد کے نعروں سے گرجا گونج اٹھا،،

(۳)

ہماری شادی کا پہلا سال بخیر و خوبی بسر ہوا، مگر افسوس اس کے بعد واقعات نے میرے خیالات بدل دیئے، اور اب مجھے جوزف کی خاموشی گراں اور سنجیدگی گھنا پن معلوم ہوتی تھی، میری رائے رفتہ رفتہ پختہ ہوگئی، مگر جوزف کی روش میں فرق نہ آیا، ایسا معلوم ہوتا تھا، کہ وہ احساس کے مادہ سے قطعاً محروم ہے، جو منہ میں آتا وہ کہتی جو دل میں آتا وہ سناتی جو زبان پر آتا وہ بناتی، مگر اس پر مطلق اثر نہ ہوتا، وہ اپنے اس فرض سے کہ مجھکو راحت پہنچائے میری رائے میں قطعاً غافل تھا میں گھنٹوں غائب اور پہروں باہر رہتی لیکن وہ کچھ پوچھتا نہ کہتا، مجھے اپنے اس انتخاب پر سخت افسوس تھا، ۲۰ پونڈ ماہوار جو اس کی آبائی جائداد کی آمدنی تھی۔ ہمارے گذر اوقات کے واسطے اچھی طرح کافی تھی، لیکن کپڑوں کے واسطے بعض دفعہ مجھکو اشد ضرورت ہوتی اور تکلیف اٹھانی پڑتی، مگر وہ مطلق توجہ یا پروا نہ کرتا، ایک روز کا ذکر ہے کہ میں غسل خانہ سے نکل کر بڑے آئینہ کے سامنے کھڑی کپڑے پہن رہی تھی کہ جوزف میری پشت پر آیا، آئینہ اس قدر نیچا تھا کہ وہ میرا چہرہ بالکل نہ دیکھ سکا، مگر میں اس کی حرکات اچھی طرح دیکھ سکتی تھی، وہ آہستہ آہستہ میرے قریب پہنچا، میں یہ دیکھ کر متعجب ہوئی، مگر اس کی سادگی پر بے اختیار ہنسی آئی کہ وہ اب تک نہ سمجھ سکا کہ میں دیکھ رہی ہوں، اس نے خاموشی کے ساتھ میرے بال ہاتھ میں لئے اور پھر خاموش چلا گیا، میرے دوست باہر میرا انتظار کر رہے تھے میں اس وقت زیادہ دیر نہ ٹھہر سکی، مگر میں نے مصمم قصد کر لیا تھا، کہ واپسی میں جوزف کی اس حرکت پر بحث کرونگی لیکن افسوس کہ میں چند ہی لمحہ کے بعد اس واقعہ کو بالکل بھول گئی،،

اسی طرح ایک روز جب میں تماشہ سے زیادہ دیر کرکے آئی تو صبح کے قریب میں آنکھیں بند کئے پڑی تھی، اور نیند بالکل نہ آتی تھی، جوزف مجھکو غافل سمجھ کر کبھی کتے کو بھونکنے سے روکتا تھا، اور کبھی مرغ کو چلانے سے اور پھر آکر میری صورت دیکھنے لگتا اور مجھکو منہ پر نہیں دل میں ہنسی آجاتی ہیں اس کی ان باتوں کو اکثر دیکھتی اور سمجھ گئی تھی کہ شادی نے اس کی محبت کم نہیں اور زیادہ کردی ہے، مگر میرا رعب اس قدر چھا گیا ہے کہ وہ بول نہیں سکتا۔

میری نگاہ سے ایسے خاموش انسان بہت کم کیا مطلق نہیں گذرے، بعض دفعہ شبہ ہوتا تھا کہ اس کے منہ میں زبان ہی نہیں ہے، اس کی یہ خاموشی جسکو میں لاپروائی کہہ رہی ہوں، بسا اوقات دل جلا دیتی تھی، مثلاً دھوبی کی گاڑی کھڑی ہے، ضرورت ہے کہ وہ کپڑے گن کرلے اور لکھ کردے، مگر ہرگز نہیں ملازم کی سمجھ میں جو کچھ آیا لے لوا معاملہ ختم کردیا اور وہ ٹس سے مس نہ ہوا، اسکو اچھی طرح معلوم تھا کہ میں کھانے کے بعد سگرٹ پیتی ہوں، لیکن کبھی اس نے میرے سامنے سگرٹ نہیں رکھا یہ ہی تھیں وہ باتیں جن پر میں بگڑتی خفا ہوتی، برا کہتی، مگر اس کے کان پر جوں نہ چلتی، مجبور میں نے بھی صبر کیا، اور یہ سمجھ کر کہ اب کوشش فضول اور توقع رائگاں اس کو اسی کے حال پر چھوڑ دیا، وہ گوشۂ تنہائی میں خوش اور میں اپنے تماشوں میں مگن رہتی، میں نے غلط کہا وہ خوش نہ تھا، مجھے معلوم تھا کہ میری بدمزاجی کا کانٹا اس کے دل میں کھٹک رہا ہے، اور وہ بالکل اس صید کی طرح زندگی بسر کررہا ہے جو صیاد کے پنجہ میں ہو، اس کی آمد و رفت، اس کا ہنسنا بولنا اس کا ملنا جلنا رہنا سہنا کھانا پینا ہر چیز میرے قبضہ میں تھی، اس کی مجال نہ تھی کہ وہ بلا اجازت

دم بھر کہیں ٹھہر سکے۔ برخلاف اس کے میں اپنے ہر فعل کی مختار تھی، جاتی جہاں جی چاہتی اور رہتی جد ہر جی میں آتا۔

قریب قریب دو سال اس طرح بسر ہوئے میرا خیال تھا کہ یہ صورت معاملہ میں تغیر پیدا کر دیگی، مگر وہ جو کچھ کر رہا تھا اس کی فطرت تھی، اور اس کا بدلنا آسان کام نہ تھا تاہم اس کی محبت میں کبھی فرق نہ آیا، اور خلوص جو اسکی شرافت کا جوہر تھا اس سے کسی معاملہ میں کسی حالت میں، کسی موقعہ پر دور نہ ہوا۔

(۴)

موسم سرما کی ایک صبح کو جب میں باہر جانے کو تیار تھی، جوزف خلاف معمول میرے کمرے میں آیا، اس کا رنگ زرد تھا، چہرہ پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ مگر اس کی آنکھیں نیچی اور زبان خاموش تھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی غیر معمولی صدمہ نے اس کو سخت اذیت پہنچائی ہے، وہ میرے قریب آکر کھڑا ہو گیا، کچھ کہنا چاہتا تھا مگر ہمت نہ پڑتی تھی۔ مجھے اس کی حالت پر بے انتہا ہنسی آئی، اور میں نے کہا "جوزف کیا ہے؟"

میرے اتنا کہتے ہی جوزف بے قابو ہو گیا، اور سسکیاں لینے لگا۔ میں نے ہنسکر پوچھا "جوزف کیا ہے"، اس نے اپنی جیب میں سے ایک پرچہ نکالا، اور رو رو کر اس طرح پڑھنے لگا۔

پیاری ویڈیا،

کیا کروں اور کیا کہوں، جو دماغ میں ہے وہ منہ پر اور جو دل میں ہے وہ زبان پر نہیں آتا، طبیعت سے مجبور اور عادت سے لاچار ہوں، تم کو معلوم

ہے کہ میرا باپ جس طرح ہندوستانی فوج کا کپتان تھا، اسی طرح ہندوستانی بیوی کا شوہر، آج وہ دونوں میاں بیوی ایبے کے قریب ابدی نیند سو رہے ہیں۔ مگر ان کے خلوص کی یادگار تمہارا غلام زندہ ہے جس کی رگ رگ میں مشرقی دودھ خون بن کر دورہ کر رہا ہے وڈیا مشکل نہیں محال ہے کہ مغربی آب و ہوا مشرقی دودھ کا اثر فنا کر دے، میں جس طرح شادی سے قبل تیرا فرمانبردار تھا اسی طرح آج بھی خدمتگذار ہوں، محبت کا وہ دریا جو اس وقت اس دل میں لہریں لے رہا تھا اب بھی ہر وقت موجیں مارتا ہے، مگر جب بھی اور اب بھی یہ لہریں اور موجیں کنارہ سے ٹکرا ٹکرا کر فنا ہو جاتی ہیں

وڈیا میرے کانوں میں تیرے بولنے کی تیرے قہقہوں کی آواز آتی ہے، مگر میں تیری اس آواز کو ترستا ہوں جو مجھ سے مخاطب ہو میری تقدیر اس قابل نہ ہو، کہ میں تیرے ہاتھ کا پکا ہوا کباب تیرے اہتمام سے تیار کیا ہوا شوربا کبھی زبان پر رکھ سکوں، مگر ہاں یہ ارمان ضرور ہے کہ تیرے ہاتھ کا ایک توس اپنی آنکھوں پر رکھ سکوں۔

وڈیا ایک زخم ہے جو اندر ہی اندر ایک ناسور ہے جو چپکے ہی مجھے گھلا رہا ہے، اور میں جانتا ہوں کہ عنقریب میری موت جو کسی بہانہ کی متلاشی ہے۔ ظاہر ہونے والی ہے، اس لئے میں منت سے التجا کرتا ہوں کہ حقوق شوہری کے ادا کرنے میں میں نے جو غفلت کی اس کو معاف کر دے اور غور کر زندگی کی ان گھڑیوں پر جب تو اپنے عزیزوں میں ہنس بول کر اپنا وقت گذارتی ہے، اور میں اپنے کمرے میں بیٹھا تجھے یاد کرتا ہوں، اور روتا ہوں، خیال کرتا ہوں اور بلبلاتا ہوں، یہاں تک کہ اگر کبھی بھولے بسرے تیری صورت نظر آجاتی ہے تو آنسو پونچھ کر اٹھ

کھڑا ہوتا ہوں، میرا دل خاموش ہو جاتا ہے، میرے آنسو تھم جاتے ہیں، اور زبان کے سوا مجسم جوزف، تیرے استقبال کو تیار ہو جاتا ہے،،

اس کے بعد جوزف نے پرچہ جیب میں رکھ لیا، اس کی آواز آنسوؤں سے بھاری ہو گئی تھی، اور رقت اس قدر غالب تھی کہ وہ وہیں بیٹھ گیا. مجھے اس وقت بھی اس کے بعض فقروں پر ہنسی آئی، میں نے اس کی طرف دیکھا، اور اتفاق سے اس کی نظر بھی میری آنکھوں کے قریب آئی، آنکھیں چار ہوئیں، نظریں ملیں، مگر میری نگاہ میں رعونت حسن اور اس کی نظر میں التجائے محبت تھی، میں جانے کو تیار تھی کھڑی ہوئی اور یہ کہکر چلدی:-

"اگر تمہارا خیال صحیح ہے اور موت تمکو جلد آنے والی ہے، تو تمہارے بعد میں تمہارے حقوق کی غفلت سے دست بردار ہوسکتی ہوں مگر جب تک تم زندہ ہو یہ ممکن نہیں کہ میں اس تکلیف کو فراموش کردوں،،

(۴)

ایسٹر کی رات کو میں نے تماشہ میں جانے کے واسطے اپنا بہترین لباس زیب تن کیا۔ گلابی ریشمی پھولدار کپڑے گلے میں تھے، مختلف قسم کے پھول جو میرے عزیزوں نے ایسٹر کے تحفہ میں پیش کئے تھے میں نے اپنے سینہ پر لگائے ہاں میں یہ کہنا بھول گئی کہ جوزف کے ساتھ مجھے اس کے موتی سے بھی نفرت ہو گئی اور آخر کار میں نے اس کو لاپروائی سے اٹھا کر الگ رکھدیا، میں تماشہ میں چلی گئی میرے عزیز میرے ساتھ تھے اور ہم سب نہایت اطمینان سے بیٹھے ہنس بول رہے تھے کہ مجھے سامنے سے جوزف آتا دکھائی دیا، مجھے

اس وقت اس کا آنا بہت ہی ناگوار معلوم ہوا، اور اس کی صورت زہر معلوم ہونے لگی، میں فوراً اٹھی اور اس کے پاس جا کر کہا:۔

"تم کو یہاں آنے کی کیا ضرورت ہے"

اس نے اس کا جواب کچھ نہ دیا، اور اپنا موتی میرے سینے پر لٹکانے لگا۔ میں نے اس کے ہاتھ سے موتی چھین کر سخت غصہ سے دور پھینکدیا اور یہ کہتی ہوئی چلی آئی کہ "فوراً یہاں سے چلے جاؤ"، اس کی آنکھیں منت کی انتہائی حد کو پہنچ گئی تھیں، اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس وقت اپنی علالت بالکل بھول گیا ہو میں نے پورا تماشہ دیکھا اور حقیقت یہ ہے کہ یہ رات نہایت پرلطف گذری دوسرے دن بھی میں شام تک گھر نہ آسکی۔ رات کو جب لوٹی تو معلوم ہوا کہ جوزف بخار میں مبتلا ہے، میں اس وقت تھکی ہاری تھی پڑ کر سوگئی، صبح کو معلوم ہوا کہ اسکی طبیعت زیادہ خراب ہے، میں گئی تو واقعی بخار بہت تیز تھا، ڈاکٹر موجود تھا، مگر بخار چوبیس گھنٹہ سے مطلق جنبش نہ کرتا تھا، میں تسکین دیکر اپنے کمرہ میں آگئی، کھانا کھایا، سوئی۔ شام کو جب سیر کو جانے لگی ہوں تو پھر کھڑے کھڑے گئی اسوقت جوزف کی حالت اور بھی بد تر تھی، بخار صبح کو ۱۰۴ اور ۱۰۵ تھا، وہ میری صورت دیکھتے ہی رونے لگا، اشارہ سے اس نے پاس بلایا اور کہنے لگا،،

"وڈیا! میں قصوروار ہوں کہ تیرے حقوق ادا نہ کرسکا"

میں نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا اور یہ دیکھ کر کہ اسکی حالت قابل اطمینان نہیں ہے ڈاکٹر کو اطلاع دیکر چلی گئی۔

رات کو میں اپنے کمرہ میں اخبار پڑھ رہی تھی کہ اس نے مجھے پھر بلایا، میں

گئی تو اس نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا، اس کو بخار بہت تیز تھا، اور مجھکو اس کے اس فعل سے اذیت ہو رہی تھی، مگر وہ میرا ہاتھ اس طرح بھینچ رہا تھا گویا مجھ سے رخصت ہو رہا ہے، اسکی آنکھ سے آنسو اب بھی گر رہے تھے، اس نے اس وقت بھی مجھ سے کہا

"وڈیا! میرا قصور معاف کر"،

آج پہلا اتفاق تھا کہ مجھے اس سے ہمدردی ہوئی اور میں نے کہا "گھبراؤ نہیں بخار معمولی ہے اتر جائے گا"،

اس کا جواب وہ کچھ نہ دے سکا، اس نے مجھ کو حسرت سے دیکھا، گویا میں غلط کہہ رہی ہوں، اور اب وہ اچھا نہ ہوگا، اور بے ہوش ہوگیا، میں اٹھ کر چلی آئی، اس وقت مجھے اس قدر تکلیف ہوئی کہ بہت دیر تک نیند نہ آئی، دوسرے روز میں اس کے پاس نہ آئی مگر دن بھر یہی سنتی رہی کہ سخت تکلیف ہے مجھے چونکہ اسکی حالت دیکھ کر کافی اذیت ہو چکی تھی اس لئے میں نے فیصلہ کر لیا کہ اب اس کے کمرہ میں نہ جاؤں گی، اس نے دو تین مرتبہ مجھے بلایا، مگر میں نہ گئی، البتہ ڈاکٹروں کو برابر اطلاع دیتی رہتی، شام کے وقت اس کی حالت سرسام کے قریب پہنچ گئی۔ آدمی نے آکر کہا " اب بھی جب ہوش آتا ہے روتے ہیں اور کہتے ہیں۔ وڈیا سے کہو ایک دفعہ صورت دکھا دے"، مگر میں چونکہ فیصلہ کر چکی تھی کہ اسکی حالت نہ دیکھوں گی اس لئے نہ جا سکی۔

مشرق اس خیال کو نہایت نفرت کی نظر سے دیکھ رہا ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہاں اس مسئلہ نے ایک اہم صورت اختیار کر لی ہے، عام طور سے تو نہیں مگر خاص خاص افراد کی زبان سے یہ آواز کان میں آجاتی ہے کہ فلاں شخص کا

آخری وقت سخت تکلیف دہ تھا، اور اس کی اذیت دیکھی نہ جاتی تھی عزیزوں کو اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ الگ بیٹھے تڑپیں، میری رائے میں یہ خیال یقیناً معقول اور درست ہے، جب تعلقات ختم ہو رہے ہیں اور نہ بھی ہوتے تو اس حالت میں کہ زندگی کی تمام امیدیں منقطع ہو چکیں خواہ مخواہ کی اذیت برداشت کرنی جس کا کوئی نتیجہ نہیں علانیہ غلطی ہے اس کے جواب میں ایک مشرقی یہ کہتا ہے کہ ہمارے معاملات اجسام ہی پر ختم نہیں ان میں کچھ روحانیت بھی ہے اور ہم کو ایک روز اس مرنے والے کو بھی اپنا منہ دکھانا ہے اور گو جسمانی تعلق ختم ہو گیا مگر ابھی روحانی تعلق میں جان باقی ہے، یہ پیاری صورت جس پر محبت بھری نظریں بار بار قربان ہوئی ہیں، اور یہ بیمار آنکھیں جنہوں نے بے کسی اور لاچاری میں نہیں اس وقت جب نشۂ حسن میں سرشار تھیں مدتوں ہماری صورت کا طواف کیا، کیا محبت کے تمام مراحل و منازل طے کرنے کے بعد آج جب کہ موت نے اس مستقبل کو جو ارمانوں سے لبریز تھا الٹی چھری سے ذبح کر دیا اس ستم کی سزاوار ہیں کہ سینہ میں دم واپسیں ہو، اور کان ہماری آواز کو ترسیں، کل جس کی رفتار دل مسلتی تھی جس کی باتوں سے پھول جھڑتے تھے، آج اس کا فراق ابدی اتنا بھی حق نہیں رکھتا کہ آنکھیں پرواز روح کے وقت اس صورت کو دیکھتی ہوئی جس پر زندگی کی ہر نعمت قربان تھی ہمیشہ کی نیند سو جائیں، انسانیت وہ گھڑی فراموش نہیں کر سکتی جب اس گھر کی چار دیواری کا دروازہ جہاں سے اس کا جنازہ نکل رہا ہے اس کے قدم سر آنکھوں پر رکھ رہا تھا، در و دیوار ایک نئے مہمان کے استقبال کو تیار اور

خوش آمدید کے نعروں سے گونج رہے تھے، اور لپٹوں میں بسی ہوئی ہوا ایلی گیلی پھر رہی تھی۔ یہ جو کچھ بھی ہو رہا تھا، یہ تمام غل غپاڑہ یہ ساری تیاریاں اور کل مسرتیں صرف ایک جذبہ کے تحت میں تھیں، آج اسی آغاز کا انجام اسی ابتدا کی انتہا اور اسی صبح کی شام اور اسی مہمان کی وداع ہے، جو آنسو اس وقت استقبال کو دوڑے تھے وہ فرط مسرت کی بجائے ماتمی لباس میں مشایعت کو باہر آئیں۔

مغربی کلمہ گو اگر اس بزم میں لب کشائی کا حق رکھتا ہے تو صرف اسوقت جب مریض کا دماغ امتیاز کی طاقت سے آنکھیں بینائی کی قوت سے اور دل احساس کے مادہ سے مطلقاً محروم ہو جائے، اگرچہ اس وقت بھی اس حالت کا جو اذیت سے تعبیر کی جاتی ہے وجود ہی باقی نہیں رہتا، ورنہ دعویٰ کے تمام پہلو تسلیم کر لینے کے بعد بھی یہ کہا جائے گا، کہ اس سے بڑی نفسانیت اس سے زیادہ خود غرضی، اس سے بڑی شرارت کیا ہو گی کہ فنا ہونے والی زندگی کی آخری مسرت پر تھوڑی سی راحت بھی نہ قربان کی گئی مجھے ان خیالات پر رائے زنی کی ضرورت نہیں، ہاں یہ میں دیکھ رہی ہوں کہ مشرق کا اثر مغرب پر بھی پڑتا چلا ہے اور اس کو کسی نہ کسی وقت اس کش مکش کا فیصلہ کرنا پڑے گا یہ فیصلہ اگر مغربی تہذیب و تمدن کی بساط پر ڈال دیا گیا تو خیر اور اگر انسانیت کی کسوٹی پر پرکھا گیا تو مشرقی خیالات نظر انداز نہیں ہو سکتے۔

میں بیٹھی کھانا کھا رہی تھی کہ میرے کان میں تین دفعہ کٹی۔ کٹی۔ کٹی،

کی آواز آئی میں پہچانتی تھی کہ یہ جوزف کی آواز ہے، مگر متعجب تھی کہ وہ دفعتہً ایسا تندرست کیونکر ہو گیا، اس کے پاس جانے کا میرے دل میں مطلق خیال نہ تھا، البتہ اسی سوچ میں تھی کہ اس کی خبر موت میرے کان میں آئی۔

سورنڈ کمپنی کی دوکان سے بہترین کفن اور صندوق جو میسر ہو سکا میں نے خود جا کر خریدا، اور شام کو سوا چھ بجے جوزف دفن کر دیا گیا۔

(۵)

میں اپنے کانوں اور آنکھوں کو جوزف کی خبر موت سننے اور اس کا جنازہ دیکھنے کے واسطے تیار کر چکی تھی، اور خیال تھا کہ دل جس قدر اس واقعہ کی تکلیف محسوس کرے گا اگر اس سے زیادہ نہیں تو کم از کم اسی قدر مسرت اس حصول آزادی سے ہوگی، جو اس کی موت میں پوشیدہ ہے (اگرچہ اب بھی میری آزادی میں کوئی روک نہ تھی) معاملات کا یہ تعلق اور تعلق کا یہ پہلو کہ آزادی کافی تلافی کر دے گی، قطعاً غلط نکلا، جوزف کی موت میرے سر پر ایسی زبردست ذمہ داریاں ڈال گئی کہ اوسان خطا ہو گئے، اور ایک آزادی نے متعدد بیڑیاں پاؤں میں ڈال دیں، پھر بھی کچھ اسباب ایسے تھے جنہوں نے مجھے زیادہ مضمحل نہ ہونے دیا، وہ دولت جو ہر عورت کو تمام عمر میں ایک دفعہ میسر آتی ہے یعنی اس کے کان ان چمکدار بھونروں کی موسیقی سے مسرور ہوں، جو اس کے گل حسن کے چاروں طرف جمع ہیں، وہ خوش قسمتی سے مجھ کو دوبارہ میسر آئی، اب میرے خواستگاروں کی تعداد پہلے سے زیادہ تھی، لیکن ان خوشامدیوں اور

بے وقوفوں کا وزن اس قدر بھاری تھا کہ میں کچھ اکتاسی گئی تھی،

تین مہینے اسی طرح گذرے مگر بجائے اس کے کہ دل جوزف کو رفتہ رفتہ بھول جاتا اس کی یاد کسی طرح زائل نہ ہوتی تھی، اس خلش نے کچھ ایسا پیچھا پکڑا کہ چھ مہینے کے اندر اندر میری حالت یہ ہوگئی کہ بعض دفعہ گھنٹوں اس کے خیال میں مستغرق بیٹھی رہتی، اس کی منت وزاری اور میری لاپروائی و بے اعتنائی ہر پہلو سے مجھ کو تکلیف دے رہی تھی، ایک دفعہ تو ایسا ہوا کہ میں رات بھر اسی الجھن میں غرق رہی اور یہ ہوش تک نہیں رہا کہ باہر کون کون منتظر بیٹھا ہے، میں ان مشرقی مردہ پرستوں کی طرح جن کی نگاہ میں ہر مردہ مجموعہ حسنات ہے جوزف کے نقائص نظرانداز نہیں کرتی، اس کی بعض عادتیں لاریب تکلیف دیتی تھیں، مگر اس کی خوبیوں کی وقعت اس کے بعد اس قدر زیادہ ہوگئی کہ اس کے نقائص بالکل دب گئے، اور بارہا ایسا ہوا کہ مجھکو اپنی حالت پر دل ہی دل میں ملامت کرنی پڑی۔

ایک روز کا ذکر ہے کہ کھانے سے فارغ ہو کر آرام کرسی پر لیٹی تھی کہ میری نظر شیشہ کے ایک پھولدان پر پڑی جو جوزف کا لایا ہوا یا منگایا ہوا تھا، اس کو دیکھتے ہی اسکی تصویر میری آنکھوں کے سامنے پھر گئی، میں اٹھی اور اس کی تصویر لائی، اور اپنے سامنے رکھکر خاموش بیٹ گئی، آدھ گھنٹہ اسی طرح گذرا میرا اضطراب لمحہ بہ لمحہ تیز ہو رہا تھا اور میں سوچ رہی تھی کہ واقعی میں نے جوزف پر صریح ظلم کیا، کہ پیچھے سے کسی شخص نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا، مڑ کر دیکھا تو وہ میری ماں تھی، میں جوزف کی جدائی سے متاثر ہو رہی تھی ماما کی صورت دیکھتے

ہی جی بھر آیا، اور دوڑ کر لپٹی اور رونے لگی، اس نے مجھے تسکین دی، پیار کیا. اور کہنے لگی،

"میں نے تم کو سکاٹ لینڈ سے جو خط لکھا تھا۔ اور جس میں پاپائے مقدس کے ارشاد کی نقل تھی غالباً تمہارے پاس ہوگا؟"

میں "ہاں میں نے پڑھا تو تھا، مگر وہ اب شاید محفوظ نہیں"

ماما "تم نے اس پر کیا عمل کیا"

میں "میں اس وقت اس کی کچھ تعمیل نہ کر سکی"

ماما "تم ایسی گمراہ کیوں ہو گئیں"

میں "اس وقت تو مجھے اس پر یقین نہ تھا، مگر اب میں آپ کے فرمانے سے اپنی غفلت پر نادم ہوں"

ماما میں نے تم کو مفصل نہ لکھا تھا، کیونکہ طبیعت سے واقف ہوں، موٹی موٹی باتیں لکھدی تھیں، امید ہے تم کو اب اچھی طرح سبق مل گیا ہوگا، میں نے جو لکھا تھا وہی ہوا۔

اس کے بعد ماما خاموش تھی مگر جب میں بھی خاموش رہی تو اس نے کہا، کس قدر افسوس، بلکہ صدمہ کی بات ہے، کہ آدمی جان بوجھ کر اپنے اوپر مصیبت ڈالے، میں نے تمکو اطلاع دیدی کہ تمہاری خوش نصیبی اور زندگی کے اطمینان کا انحصار جوزف کے موتی پر ہے، یہ میری رائے نہیں پاپائے مقدس کی ہے کہ تم اسکو حقیر نہ سمجھو، اسکی توہین تمہاری بربادی کا باعث ہوگی، یہ حضرت سلیمان کا موتی ہے، اور اگر تم نے اس کی قدر کی تو عمر بھر خوش رہوگی، میں نے تم کو کیا یہ نہیں لکھا کہ اگر

ذرہ بھر بھی اس موتی کی بے ادبی ہوئی تو تاراج ہو جاؤ گی۔

تم نے دیکھ لیا کہ پاپائے مقدس کا یہ ارشاد کیسا صحیح اور درست تھا، میں بظاہر تم سے الگ تھی، مگر درحقیقت تم سے غافل نہ تھی۔ تم نے جوزف اور اس کے موتی کی جو قدر کی وہ سب مجھے معلوم ہے میں اب بھی تمہارے پاس نہ آتی، مگر اندیشہ تھا کہ اب کوئی اور غلطی نہ کر بیٹھو میں پاپائے مقدس کے پاس سے آ رہی ہوں، انہوں نے صاف صاف کہہ دیا ہے، کہ موتی ابھی ضائع نہیں ہوا ہے اگر ڈیڈیا ڈھونڈ لے تو انسانی ہستیوں کی ملکہ ہو گی ورنہ اس پر سخت مصیبت نازل ہونے والی ہے،،

(۶)

میں اس سوال کا جواب دینے سے قاصر ہوں انسانی کشمکش کا یہ فلسفہ آج تک میری سمجھ میں نہ آیا، کہ باوجود اس صدمہ کے جو جوزف کی موت سے میرے دل پر ہوا، میں باعتبار صحت پہلے سے کیوں بڑھ گئی۔ دونو رخسار گلاب کے پھول کو مات کر رہے تھے، رنگ میدہ اور شہاب، جو روز بروز نکھر رہا تھا اور یہی وجہ تھی کہ خواستگاروں کا دائرہ ساعت بہ ساعت وسیع ہو رہا تھا۔ اور کچھ یہ نہیں کہ یہ معمولی لوگ ہوں۔ بڑے بڑے امیر اور اچھے اچھے رئیس اگر جوزف کی موت خلاف توقع اس قدر موثر نہ ہوتی تو ان لوگوں کی التجا اور معاہدے ایسے تھے کہ میں آسانی سے پسیج جاتی اور میں نہ معلوم کب کی دلہن بن چکی ہوتی تاہم گو میں انتخاب میں متامل تھی لیکن یہ فیصلہ کر چکی تھی کہ بیوگی کی زندگی کا جلد خاتمہ کر دوں گی، مگر ماما کی گفتگو

اور پاپائے مقدس کا ارشاد میرے دل پر بیٹھ گیا جس نے میرے خیالات میں آسمان و زمین کا فرق کر دیا، اور مجھے یقین ہو گیا کہ اس تمام مصیبت کی ذمہ دار میں اور صرف میں ہوں اگر میں جوزف کی قدر کرتی تو میرا یہ حشر نہ ہوتا۔

بدنصیب جوزف کی مصیبت کے جگر خراش ہونے میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا۔ وہ میری صورت کو ترستا، اور پھڑکتا دنیا سے رخصت ہوا، اس کی آخری آرزو جب دماغ زندگی اور اس کے متعلقین کو وداع کہہ رہا تھا صرف یہ تھی کہ وہ آفتاب محبت کی سنہری گود میں لیٹا ہوا سدھارے اور جس طرح ایک بہادر کے واسطے میدان جنگ میں بے گور و کفن مرنا باعث عزت ہے اسی طرح محبت کی منزل میں اس کا ہر سانس ویڈیا کے نعرے لگاتا ہوا عزت کے ساتھ ختم ہوا۔ یہ واقعہ ہے کہ جب اس کی تمام خواہشیں ختم ہو رہی تھیں اگر میں اپنی صورت دکھا دیتی تو اس کی موت ابدی زندگی ہوتی اور میں نے اپنی لا پروائی سے جوزف ہی پر نہیں انسانیت اور محبت دونوں پر ستم توڑا، مگر اب پچھتانا بے سود اور رونا بے کار تھا، لیکن میرے سینہ میں ایک آگ بھڑک رہی تھی جو کسی کوشش اور کسی خیال سے ٹھنڈی نہ ہوتی تھی، دھواں رہ رہ کر نکلتا اور چنگاریاں سلگ سلگ کر چمکتیں، اب میں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ پاپائے مقدس کے ارشاد کے موافق جب تک میں گم شدہ موتی نہ حاصل کرونگی یا اسی قسم کا ایک موتی میرے قبضہ میں نہ آجائے ہرگز شادی نہ کروں گی،

اس لیئے میں نے اعلان کردیا کہ شادی کے جس قدر خواستگار ہیں۔ وہ اس موتی کے لانے کی کوشش کریں یا اسی قسم کا موتی پیدا کریں۔

اس خیال کے ظاہر ہونے کی دیر تھی، چاروں طرف سے موتیوں کی کوشش ہونے لگی، لاتعداد آئے، بے شمار آئے، اور ہر لمحہ آئے، مگر جوہرت کے موتی کو کوئی نہ پہنچتا تھا،

ایلسین کا امیرزادہ جو حسین اور دولتمند ہونے کے علاوہ نہایت چالاک اور ہوشیار تھا دو بیش بہا موتی اپنے ساتھ لایا، اور حق یہ ہے کہ اگر وہ اس قدر طرار اور عیار نہ ہوتا تو یقیناً اس کے حالات اکثر اعتبار سے یہ حق رکھتے تھے کہ میں اس کی درخواست قبول کر لوں مگر میں اس کی چالاکی اور عیاری سے ڈر رہی تھی۔ وہ کہنے کو ثقہ تھا، اور ظاہر بھی یہی کرتا تھا لیکن بے شمار عورتیں اس کے پھندے میں پھنس کر بیٹھی اس کی جان کو رو رہی تھیں وہ اپنی ناکامی پر اس قدر برافروختہ ہوا کہ تمام بدن میں آگ لگ گئی، اور اس نے فوراً موتیوں کی نمائش کا ایک اعلان کر ڈالا۔

(۷)

آفتاب غروب ہوچکا تھا، جب میں اپنی ما اور پاپائے مقدس کے ہمراہ ایلسین میں داخل ہوئی، نمائش کا اہتمام نہایت وسیع پیمانہ پر کیا گیا تھا، کمرۂ خاص کے دروازے موتیوں سے جگمگا رہے تھے جہاں تک نظر جاتی تھی موتیوں کے سوا کوئی چیز نظر نہ آتی تھی۔ امیر سر

سے پاؤں تک موتیوں کے دریا میں غرق تھا، موتیوں کے فرش پر موتیوں کا لباس پہنے موتیوں کے تخت پر بیٹھا مسکرا رہا تھا اس کے سپید ہے ہاتھ میں انڈے کے برابر موتی تھا جس کی جوت دور تک پڑ رہی تھی، میں اندر گھسی تو آنکھوں میں چکا چوند آگئی زمین اور آسمان ہر چیز اس جوت سے جھلملا رہی تھی، کہ پاپائے مقدس کی صورت دیکھتے ہی امیر اپنی جگہ سے اٹھا اور اپنے ہاتھ کا موتی میز پر رکھ کر کہنے لگا۔

" یہ وہ موتی ہے جس کا جواب ملک کیا روئے زمین پر نہیں " امیر کے مصاحبوں نے جو موتی کی صورت دیکھ دیکھ کر نہال ہو رہے تھے ہاں میں ہاں ملانے کو گردنیں ہلائیں ہوا کا جھکڑ زور سے چلا۔ اور موتی ایک طرف لڑکا، تو پاپائے مقدس نے ہاتھ میں اٹھا لیا، اور مسکرائے، میری اس وقت عجیب کیفیت تھی، امیر سچ مچ کا موتی معلوم ہوتا تھا۔

میں آپے سے باہر تھی اور سوچ رہی تھی کہ مجھ سے زیادہ خوش نصیب کون ہو سکتا ہے جس کا خواستگار ایسا حسین ایسا امیر اور ایسا معزز انسان ہو۔

پاپائے مقدس نے موتی ہاتھ میں لے کر پہلے امیر کو اور پھر مجھے دیکھا مسکراہٹ ان کے چہرے پر موجود تھی، انہوں نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا، اور کہا۔

" سیمیائی جلووں پر لٹو ہونے والی نامعقول ہستی یہ گول موتی جسکو دیکھ کر تیرے منہ میں پانی بھر آیا، اگر ستر ہزار برس بھی اس موتی کو سجدہ

کرے جس کو تو نے اپنی رعونت سے ٹھکرا دیا تو اس کی آب و تاب کو نہیں پہنچتا، مجھے معلوم ہے کہ آج مرنے والا جوزف جس کی آنکھیں تیری ایک جھلک کو ترستی ہوئی بند ہوئیں ہماری اس نمائش میں موجود نہیں مگر نشۂ حسن میں سرشارہ عورت تیرے مظالم جو تو نے اس بے گناہ پر توڑے زندہ اور موجود ہی نہیں تیرے آس پاس پھر رہے ہیں، تیری ہستی سر سے پاؤں تک، تیرا جسم اوپر سے نیچے تک تو خود ابتدا سے انتہا تک اس ستم میں غرقاب، شور بہ شور اور ڈوبی ہوئی ہے، جو ایک مظلوم انسان اور ایک خاموش مخلوق پر توڑے تھے، میرے پاس سے دور ہو جا، تیرے پاس سے آج تک ان مظالم کے شرارے اور چنگاریاں نکل رہی ہیں، تو نہ دیکھ مگر آسمان اور زمین دونو تجھ کو دیکھ کر تھرا رہے ہیں، کائنات کا ہر ذرہ تجھ سے تیری آگ سے، تیری صورت سے پناہ مانگ رہا ہے۔ جس موتی پر تو فریفتہ ہوئی ہے جس نے آنکھوں کو خیرہ اور دل کو اندھا کر دیا ہے، اس کی تہہ میں کچھ نہیں۔ ہوا کا ایک جھونکا اس گول مول موتی کو کہیں سے کہیں لڑکا دیگا، مگر وہ جس کو تو کھو چکی کوہ گراں تھا، ہوا کے طوفان بھی اس ہشت پہلو کو جگہ سے نہ سرکا سکتے تھے، آفتاب اس بہار کا خاتمہ اور اس حسن کا قلع قمع کردے گا۔ لیکن اس موتی کی چمک لازوال تھی جو تیری چار دیواری میں چمکی، اور تیرے ہی ہاتھوں زمین کی پیوند ہو گئی۔

ویڈیا گریبان میں منہ ڈال اور سوچ وہ کیا وقت ہو گا جب بے بس و بے کس یکہ و تنہا بدنصیب جوزف نے تیری آواز اور صورت کو ترس کر اور پھڑک کر دم توڑا، اس کا دل رویا، تیری آنکھیں ہنسیں، اسکی جان نکلی اور تجھے اطمینان ہوا!"

پاپائے مقدس اتنا کہہ کر آگے بڑھے ماما میرا ہاتھ پکڑ کر باہر لائیں، میری حالت خراب تھی، قدم اٹھانا مشکل تھا، کہ دفعتہً چونک پڑی اور منہ سے یہ نکلا۔

سب کچھ تھا! مگر آہ وہ موتی وہاں بھی نہ تھا

میں اس روز سے آج تک اپنے موتی کی تلاش میں ہوں، مگر اب کامیابی معلوم!

یہ مضمون اگر سرزمین ہندوستان پر پہونچے، جہاں کی عورتیں ہمارے مردوں کی طرح مجبور و لاچار ہیں۔ تو مناسب ہے، کہ ناظرین ان کو اُلٹ کر مجھ کو مرد اور جوزف کو عورت سمجھ لے اس کے بعد اس کو معلوم ہو جائے گا، کہ ہندوستان میں ہزاروں ستم زدہ عورتیں مجھ جیسے بے درد مرد کا شکار ہو کر قبروں میں آرام کر رہی ہیں!

ختم شد

(یہ افسانہ سنہ ۱۹۰۱ء میں شائع ہوا اور کتابی صورت میں پہلی مرتبہ اکتوبر سنہ ۱۹۲۶ء میں!)